ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY

Name:

Registration No.:

Course Code: 2957

Program: BS

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

کورس: اسلام کا قانون جنائی (2957) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ تخصص شریعہ)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (بونس: 5 تا 9)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ اس گائیڈ میں حدود، قصاص، تعزیر، ارتداد اور بغاوت جیسے موضوعات صرف تعلیمی اور فقہی مطالعے کے طور پر بیان کیے گئے ہیں؛ کسی فرد یا معاملے پر کسی سزا یا حکم کا اطلاق طلبہ کا کام نہیں، یہ اختیار مستند علماء، اہلِ افتاء اور ریاست کی مجاز عدالتوں اور اداروں کا ہے۔

سوال نمبر 1: تعزیری سزائیں — اقسام، حکمت اور قاضی کے اختیارات کا تنقیدی جائزہ (20 نمبر)

سوال نمبر 1۔ تعزیری سزاؤں کی اقسام، ان کی حکمت اور قاضی کے اختیارات کے تناظر میں ان کا تنقیدی جائزہ لیں۔ (20)

تعارف

اسلامی فوجداری قانون میں سزاؤں کے تین بڑے دائرے بیان کیے جاتے ہیں: حدود، جو کتاب و سنت سے مقرر ہیں اور جن میں قاضی کمی بیشی نہیں کر سکتا؛ قصاص و دیت، جن کا تعلق جان و اعضاء کے جرائم سے ہے اور جن میں متاثرہ فریق کے حقوق کو خاص مقام حاصل ہے؛ اور تعزیر، جو ان جرائم و نافرمانیوں کی سزا ہے جن کے لیے شریعت نے کوئی مقرر حد یا کفارہ نہیں رکھا، بلکہ ان کا تعین حکمران، قانون ساز ادارے اور قاضی کی صواب دید پر چھوڑا ہے۔ تعزیر کا لفظ تادیب و سرزنش سے نکلا ہے، جس سے اس کا مقصد خود واضح ہو جاتا ہے کہ یہ سزا انتقام کے لیے نہیں بلکہ اصلاح، تنبیہ اور معاشرے کی حفاظت کے لیے ہے۔ رشوت، جعل سازی، ناپ تول میں کمی، گالی گلوچ، مار پیٹ کی معمولی صورتیں، اخلاقی بدعنوانی کی حد سے کم صورتیں، سرکاری فرائض میں غفلت اور نئے دور کے بیشمار جرائم اسی دائرے میں آتے ہیں، اس لیے تعزیر ہی اسلامی فوجداری نظام کا وہ لچک دار حصہ ہے جو ہر دور کے نئے جرائم کا علاج کر سکتا ہے۔ اس جواب میں تعزیر کی تعریف و اقسام، اس کی حکمتیں، قاضی کے اختیارات و ان کی حدود اور آخر میں اس نظام کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جائے گا، تاکہ اس کی خوبیاں اور وہ خدشات دونوں سامنے آئیں جن کا ازالہ جدید قانون سازی سے ممکن ہے۔

تعزیر کی تعریف اور اس کی اقسام

فقہاء کے نزدیک تعزیر ہر اس گناہ یا جرم کی سزا ہے جس میں نہ حد ہے نہ کفارہ، خواہ اس کا تعلق حق اللہ سے ہو یا حق العبد سے۔ درجے کے اعتبار سے فقہاء نے تعزیری سزاؤں کو کئی اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم بدنی سزائیں ہیں، جیسے قدیم فقہی کتابوں میں کوڑوں کی بحث، جس کی تعداد و کیفیت میں مکاتب کے درمیان اختلاف ہے اور جو آج کے دور میں زیادہ تر ممالک میں قانونی طور پر متروک یا محدود ہے، اس لیے اسے تاریخی فقہی بحث کے طور پر سمجھنا چاہیے۔ دوسری قسم مالی سزائیں ہیں، جیسے جرمانہ، نقصان کی تلافی اور غیر قانونی مال کی ضبطی کی بعض صورتیں، جن پر فقہاء کے درمیان بحث رہی ہے، مگر جدید قوانین میں جرمانہ تعزیر کی عام ترین شکل ہے۔ تیسری قسم آزادی کی پابندی ہے، یعنی قید و نظر بندی، جس کا مقصد مجرم کو معاشرے سے الگ رکھ کر اصلاح کا موقع دینا ہے۔ چوتھی قسم تنبیہی و سماجی سزائیں ہیں، جیسے نصیحت و وعظ، سرزنش، ملازمت سے معطلی و برطرفی، کسی عہدے یا لائسنس سے محرومی اور سماجی خدمت جیسی جدید صورتیں۔ پانچویں قسم بعض فقہاء کے نزدیک تعزیر بالقتل ہے، یعنی انتہائی سنگین اور عادی فسادی مجرم

کے بارے میں سیاستِ شرعیہ کے تحت سخت سزا کی گنجائش، جسے جمہور نے بہت محدود شرائط و انتہائی احتیاط کے ساتھ ذکر کیا ہے اور جس پر عمل کا اختیار کسی فرد کو نہیں بلکہ اعلیٰ عدلیہ و ریاست کو بھی قانون کے سخت دائرے میں حاصل ہو سکتا ہے۔ اقسام کی یہ وسعت بتاتی ہے کہ تعزیر جرم کے مطابق ڈھلنے والی سزا ہے۔

جدول: تعزیری سزاؤں کی اقسام اور ان کی مثالیں

قسم	صورتیں	عام مثالیں
تنبیہی	نصیحت، سرزنش، تنبیہ نامہ	معمولی غفلت، پہلی بار کی کوتاہی
مالی	جرمانہ، مالی نقصان کی بعض صورتیں	ناپ تول میں کمی، ٹریفک خلاف ورزی، جعل سازی کی
آزادی کی پابندی	قید، نظر بندی، علاقہ بدری کی قانونی صورتیں	بار بار کے جرائم، عوامی امن کو خطرہ
پیشہ ورانہ / سماجی	معطلی، برطرفی، لائسنس کی منسوخی، سماجی خدمت	رشوت، فرائض میں غفلت، بدعنوانی
بدنی (تاریخی فقہی بحث)	کوڑوں کی محدود بحث	قدیم کتب میں مذکور؛ جدید عمل قانون کے تابع

تعزیر کی حکمت و مقاصد

تعزیر کی پہلی حکمت تادیب و اصلاح ہے: سزا کا مقصد مجرم کو اذیت دینا نہیں بلکہ اسے احساس دلانا ہے کہ اس کا عمل غلط تھا، تاکہ وہ آئندہ اس سے بچے۔ دوسری حکمت زجر و روک ہے، یعنی مجرم کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی عبرت ہو اور معاشرے میں جرم کا رجحان کم ہو۔ تیسری حکمت تناسب ہے: چونکہ جرائم کی شدت ایک جیسی نہیں ہوتی، اس لیے مقرر سزائیں ان سب پر یکساں نہیں چل سکتیں؛ تعزیر قاضی کو موقع دیتی ہے کہ جرم، نیت، نقصان، مجرم کی عمر، ماضی اور حالات دیکھ کر ہلکی یا سخت سزا دے۔ چوتھی حکمت نظام کی تکمیل ہے: حدود صرف چند جرائم کا احاطہ کرتی ہیں، اگر تعزیر نہ ہوتی تو باقی سارا مجرمانہ میدان سزا سے خالی رہ جاتا اور قانون نامکمل رہتا۔ پانچویں حکمت مصلحتِ

عامہ کی حفاظت ہے: ریاست نئے جرائم، جیسے سائبر کرائم، منشیات کی تجارت یا مالی فراڈ، کے لیے وقت و حالات کے مطابق قانون بنا سکتی ہے، کیونکہ تعزیر کا دروازہ اجتہاد و قانون سازی کے لیے کھلا ہے۔ چھٹی حکمت یہ ہے کہ تعزیر میں توبہ، معافی اور اصلاح کی گنجائش حد سے زیادہ ہوتی ہے؛ متاثرہ فریق معاف کر دے یا مجرم واقعی سدھر جائے تو قاضی نرمی کر سکتا ہے، جس سے قانون انسانی بھی رہتا ہے اور مؤثر بھی۔

قاضی کے اختیارات اور ان کی حدود

تعزیر میں قاضی کو وسیع مگر لامحدود نہیں، بلکہ اصولوں میں جکڑے ہوئے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ قاضی جرم کی نوعیت کے مطابق سزا کی قسم چن سکتا ہے، مقدار میں کمی بیشی کر سکتا ہے، جرم ثابت نہ ہونے یا شبہ ہونے پر بری کر سکتا ہے، سزا کو معطل یا متاثرہ فریق کی معافی پر مجرم کی اصلاح کی صورت میں کم کر سکتا ہے، اور ایک سے زیادہ تدابیر کو جمع بھی کر سکتا ہے، جیسے جرمانے کے ساتھ تنبیہ یا قید کے ساتھ تلافی۔ لیکن ان اختیارات کے ساتھ فقہ و قانون نے سخت حدود بھی رکھی ہیں: قاضی حد والی سزا کو تعزیر کے نام پر نہیں دے سکتا اور تعزیر کو حد کے برابر یا اس سے بڑھا کر ظلم نہیں بنا سکتا، بعض فقہاء نے تعزیری کوڑوں کی حد حد سے کم رکھنے کی صراحت اسی لیے کی ہے۔ قاضی ذاتی تعصب، رشوت، دباؤ یا تعلق کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کر سکتا؛ اس پر یکساں انصاف لازم ہے، امیر و غریب اور طاقتور و کمزور اس کے سامنے برابر ہیں۔ قاضی پر واجب ہے کہ وہ فیصلہ ثبوت و سماعت کے بعد اور قانون کے دائرے میں دے، اور جدید ریاستوں میں اس کے اختیارات آئین، قانون ساز ادارے کے بنائے ہوئے قوانین اور اعلیٰ عدالتوں کی نگرانی سے محدود ہوتے ہیں، جسے اختیارات کے غلط استعمال کے خلاف ایک حفاظتی نظام کہا جا سکتا ہے۔ اس توازن کا نام ہی عدل ہے: اختیار بھی ہو اور جواب دہی بھی۔

تنقیدی جائزہ: خوبیاں اور خدشات

تنقیدی جائزے میں پہلے خوبیاں دیکھی جائیں تو تعزیر کا سب سے بڑا حسن اس کی لچک ہے، جو قانون کو ہر دور کے ساتھ چلنے کے قابل رکھتی ہے۔ دوسرا حسن فرد و جرم کے مطابق انصاف ہے، کیونکہ پہلی بار غلطی کرنے والے نوجوان اور پیشہ ور عادی مجرم کے ساتھ ایک جیسا سلوک خود ناانصافی ہے۔ تیسرا حسن اصلاحی مزاج ہے، جس کی وجہ سے جدید دنیا کے اصلاحی انصاف یعنی بحالیِ مجرم کے نظریات سے اس کا گہرا میل بنتا ہے۔ اب خدشات کی طرف آئیے تو سب سے بڑا خدشہ اختیارات کے ناجائز استعمال اور غیر

یکساں فیصلوں کا ہے: اگر تعزیر مکمل طور پر فرد واحد کی صواب دید پر چھوڑ دی جائے تو ایک جیسے جرائم پر بہت مختلف سزائیں آسکتی ہیں، جو انصاف کے احساس کو مجروح کرتی ہیں۔ اس کا جدید علاج یہ ہے کہ قانون ساز ادارہ ہر جرم کے لیے سزا کی کم سے کم و زیادہ سے زیادہ حد اور رہنما اصول مقرر کر دے اور قاضی اس دائرے کے اندر حالات کے مطابق فیصلہ کرے، جیسا کہ آج کے بیشتر قانونی نظاموں میں ہوتا ہے۔ دوسرا خدشہ شفافیت و دستاویز کا ہے، جس کا ازالہ تحریری وجوہات پر مبنی فیصلوں، اپیل کے حق اور اعلیٰ عدلیہ کی نگرانی سے ہوتا ہے۔ تیسرا خدشہ قدیم کتابوں کی بعض بدنما سزاؤں کا جدید انسانی حقوق سے مکالمہ ہے، جس میں اہلِ علم کا کام یہ ہے کہ مقاصدِ شریعت یعنی اصلاح و روک کو سامنے رکھتے ہوئے ایسی صورتیں اختیار کرنے کی بحث کریں جو دور کے قانونی معاہدوں سے بھی ہم آہنگ ہوں۔ اس تنقید سے تعزیر کا نظام کمزور نہیں بلکہ مزید پختہ ہوتا ہے۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ تعزیر بلا مقرر حد والے جرائم کی وہ اصلاحی سزا ہے جس کی اقسام تنبیہ سے لے کر جرمانے، قید اور پیشہ ورانہ پابندیوں تک پھیلی ہوئی ہیں، اس کی حکمت تادیب، روک، تناسب اور مصلحتِ عامہ ہے، اور قاضی کے اختیارات وسیع مگر اصول، قانون اور نگرانی کے پابند ہیں۔ تنقیدی جائزہ بتاتا ہے کہ اس نظام کی کامیابی اسی میں ہے کہ قانون سازی کے ذریعے سزاؤں کے دائرے و معیار مقرر کیے جائیں، قاضی کی تربیت و جواب دہی یقینی بنائی جائے اور سزا کا ہدف ہمیشہ اصلاح و انصاف رہے۔ اس طرح تعزیر اسلامی قانون کو جامد بننے سے بچاتی ہے اور اسے ہر دور کے جرائم کے لیے ایک زندہ و متوازن نظام بناتی ہے۔

سوال نمبر 2: پاکستان کے رائج فوجداری قوانین اور اسلامی فوجداری قانون — فرق و مماثلت کا موازنہ (20 نمبر)

سوال نمبر 2۔ پاکستان میں رائج فوجداری قوانین اور اسلامی فوجداری قانون کے درمیان بنیادی فرق اور مماثلتوں کا تفصیلی موازنہ کریں۔ (20)

تعارف

پاکستان کا فوجداری نظام ایک ملی جلی تاریخ رکھتا ہے: اس کی بنیاد میں برطانوی ہند کے دور کے قوانین ہیں، جن میں مجموعۂ تعزیراتِ پاکستان اور مجموعۂ ضابطۂ فوجداری سرفہرست ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ قیامِ پاکستان کے بعد اسلامی دفعات، حدود قوانین، قصاص و دیت کی ترامیم، وفاقی شرعی عدالت اور شریعت بینچوں کے فیصلے بھی اس نظام کا حصہ بن چکے ہیں۔ دوسری طرف اسلامی فوجداری قانون سے مراد وہ اصول و احکام ہیں جو قرآن و سنت اور فقہی روایت سے اخذ کیے جاتے ہیں، جن میں حدود، قصاص و دیت اور تعزیر کے دائرے آتے ہیں۔ ان دونوں کا موازنہ محض نظری بحث نہیں بلکہ پاکستانی طالب علم کے لیے عملی ضرورت ہے، کیونکہ عدالت میں دونوں ذرائع کے عناصر موجود ہیں اور قانون کے طالب علم کو یہ سمجھنا ہوتا ہے کہ کہاں فرق ہے، کہاں مماثلت ہے اور کہاں دونوں نظام ایک دوسرے میں ضم ہو چکے ہیں۔ اس جواب میں پہلے دونوں نظاموں کا مختصر تعارف، پھر مماثلتیں، پھر بنیادی فرق بذریعہ جدول و تفصیل، اور آخر میں نتیجہ پیش کیا جائے گا۔ یہ موازنہ اس لیے اہم ہے؛ کسی قانون کی موجودہ حیثیت کی حتمی تصدیق کے لیے تازہ ترین سرکاری متن و عدالتی فیصلے دیکھنے چاہئیں۔

دونوں نظاموں کا مختصر تعارف

پاکستان میں رائج فوجداری قانون کی بڑی بنیاد مجموعۂ تعزیراتِ پاکستان 1860 ہے، جو جرائم کی تعریفیں اور سزائیں بیان کرتا ہے، جبکہ ضابطۂ فوجداری 1898 گرفتاری، تفتیش، چالان، مقدمے اور اپیل کے طریقہ کار کو منظم کرتا ہے، اور قانونِ شہادت شہادت کے اصول دیتا ہے۔ ان قوانین کی زبان و ساخت انگریزی قانونی روایت سے آئی ہے مگر ان پر پاکستانی مقننہ نے وقتاً فوقتاً ترامیم کی ہیں، جن میں 1979 کے حدود قوانین اور 1990 کی دہائی میں قصاص و دیت سے متعلق ترامیم نمایاں ہیں، جن کے بعد قتل و زخمی کرنے کے جرائم میں ولی کا حق، معافی و صلح اور دیت کے تصورات قانون کا حصہ بنے۔ آئینِ پاکستان بھی یہ رہنمائی دیتا ہے کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا اور موجودہ قوانین کو اسلامی احکام کے مطابق ڈھالنے کا اہتمام کیا جائے گا، جس کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت جیسے ادارے قائم ہیں۔ اس کے

مقابل اسلامی فوجداری قانون کے مآخذ قرآن وسنت، اجماع واجتہاد و فقہی کتب ہیں، اور اس کی روح مقاصدِ شریعت یعنی دین، جان، مال، عقل اور نسل کی حفاظت ہے۔ دونوں نظاموں کا مقصد بظاہر ایک ہی ہے، امن وانصاف، مگر ان کے مآخذ، سزاؤں کے فلسفے اور بعض اصولوں میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔

مماثلتیں

مماثلتوں میں سب سے پہلی یہ ہے کہ دونوں نظام جرم وسزا کے بغیر معاشرہ نہیں چلا سکتے اور دونوں جان، مال وعزت کے خلاف جرائم، جیسے قتل، چوری، ڈکیتی، زناکاری، جعل سازی اور رشوت، کو قابلِ سزا مانتے ہیں۔ دوسری مماثلت یہ ہے کہ دونوں میں نیت اور ارادے کو اہمیت دی جاتی ہے؛ نابالغ ومجنون کی ذمہ داری کی کمی، جبر وغلطی کی رعایت اور دفاعِ نفس کی گنجائش دونوں میں تسلیم شدہ ہے، اگرچہ تفصیلات مختلف ہیں۔ تیسری مماثلت شہادت یا ثبوت کی ضرورت ہے: دونوں محض الزام پر سزا نہیں دیتے بلکہ عدالت، گواہی وشواہد اور صفائی کا موقع لازم قرار دیتے ہیں۔ چوتھی مماثلت سزاؤں کی کئی شکلوں کی یکسانیت ہے: قید، جرمانہ اور بعض صورتوں میں سزائے موت دونوں نظاموں میں پائی جاتی ہے، فرق مقدار وشرائط کا ہے۔ پانچویں مماثلت متاثرہ فریق کی تلافی کا تصور ہے: پاکستانی قانون میں بعض معاوضہ وہرجانہ اور اسلامی قانون میں دیت وارش اسی سوچ کی صورتیں ہیں۔ چھٹی مماثلت یہ ہے کہ پاکستانی قانون عملاً اسلامی عناصر کو جذب کر چکا ہے، جیسے قصاص ودیت، حد سے متعلق بعض قوانین اور خاندانی واخلاقی جرائم کی دفعات، اس لیے دونوں کو مکمل اجنبی سمجھنا درست نہیں۔ ان مماثلتوں سے پتا چلتا ہے کہ انصاف وامن کی بنیادی انسانی ضرورت ہر نظام کو ایک دوسرے کے قریب لاتی ہے۔

جدول: دونوں نظاموں کا تقابلی موازنہ

پہلو	اسلامی فوجداری قانون	پاکستان میں رائج فوجداری قانون
مآخذ	قرآن، سنت، اجماع، فقہ واجتہاد	آئین، مقننہ کے قوانین، عدالتی نظائر؛ تاریخی بنیاد انگریزی قانون
سزاؤں کی تقسیم	حدود، قصاص ودیت، تعزیر	موت، قید، جرمانہ ودیگر؛ قصاص ودیت بھی شامل

زیادہ تر ریاست مدعی؛ بعض جرائم میں مدعی کا کردار	حق اللہ و حق العبد کی تقسیم نمایاں	مقدمے میں فریق
قابلِ راضی نامہ جرائم میں صلح؛ قتل میں ولی کا کردار ترامیم کے بعد شامل	قصاص میں ولی کی معافی و صلح کو مرکزی مقام	معافی و صلح
معقول شبے سے بالاتر ثبوت کا عمومی اصول	حدود میں انتہائی سخت؛ شبہ سے حد ساقط	ثبوت کا معیار
امن، نظم و انصاف؛ اصلاحی مقاصد بھی تسلیم شدہ	مقاصدِ تعزیر: ولی حفاظت، اصلاح و روک	مقصد

بنیادی فرق

بنیادی فرقوں میں پہلا مآخذ کا فرق ہے: اسلامی قانون اپنا حتمی مرجع وحی کو مانتا ہے، اس لیے حدود و قصاص کے بنیادی احکام میں مقننہ تبدیلی نہیں کر سکتی، جبکہ پاکستانی رائج قانون انسانی مقننہ کا بنایا ہوا ہے جس میں پارلیمان ضرورت کے تحت ترمیم کر سکتی ہے۔ دوسرا فرق جرم کی درجہ بندی کا ہے: اسلام میں حق اللہ و حق العبد کی تقسیم سے یہ طے ہوتا ہے کہ معافی کس کے اختیار میں ہے، جبکہ رائج قانون میں جرائم کی تقسیم قابلِ راضی نامہ و ناقابلِ راضی نامہ اور قابلِ ضمانت و ناقابلِ ضمانت کے زمروں سے ہوتی ہے۔ تیسرا فرق سزاؤں کے فلسفے کا ہے: اسلامی نظام اصلاح، عبرت، تلافی اور مقاصد کی حفاظت کو ایک ساتھ رکھتا ہے اور سزا کو آخری چارہ سمجھتا ہے، جبکہ جدید نظام میں روک، معاشرتی دفاع اور بحالیِ مجرم کے نظریات غالب ہیں، اگرچہ دونوں میں کئی باتیں مشترک بھی ہیں۔ چوتھا فرق ثبوت کے معیار کا ہے: حدود میں اسلامی قانون گواہی کی تعداد و کیفیت اور شبے کی رعایت میں انتہائی سخت ہے، جبکہ رائج قانون شہادت کے عمومی قواعد و حالات و واقعات کی شہادت پر زیادہ انحصار کرتا ہے۔ پانچواں فرق طریقہ کار کا ہے: رائج قانون میں پولیس تفتیش، چالان اور ضابطے کی تفصیلی دفعات موجود ہیں، جبکہ کلاسیکی فقہ میں نظامِ قضا و حسبہ کی صورتیں مختلف تھیں، البتہ جدید مسلم ریاستوں نے ضابطے کے بیشتر انتظامات کو تعزیر و سیاست کے باب میں اپنا لیا ہے۔ چھٹا فرق بعض اخلاقی جرائم کے دائرے کا ہے، جہاں مقدار و شرائط میں نمایاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ فرق دشمنی کا نہیں، علمی درجہ بندی کا ہے، اور پاکستانی نظام عملی طور پر دونوں کے امتزاج سے چل رہا ہے۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان کا رائج فوجداری قانون تاریخی طور پر انگریزی قانون سے آیا ہے مگر آئین، ترامیم اور شرعی اداروں کے ذریعے اس میں اسلامی احکام بڑی حد تک داخل ہو چکے ہیں، اس لیے مماثلتیں بھی گہری ہیں اور فرق بھی واضح۔ طالب علم کے لیے درست رویہ یہ ہے کہ نہ رائج قانون کو مکمل غیر اسلامی کہے اور نہ اختلافات کو چھپائے، بلکہ ہر مسئلے کو متن، آئین اور عدالتی فیصلوں کی روشنی میں دیکھے۔ یہی علمی توازن ایک اچھے قانون دان و عالم کی پہچان ہے اور اسی سے اصلاح کی راہیں کھلتی ہیں جن کا اگلے سوالات میں جائزہ لیا جائے گا۔

سوال نمبر 3: پاکستانی قانونی نظام میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی موجودہ صورتِ حال اور چیلنجز (20 نمبر)

سوال نمبر 3۔ پاکستانی قانونی نظام میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی موجودہ صورتِ حال اور اس کے چیلنجز پر جامع بحث کریں۔ (۲۰)

تعارف

پاکستان ایک اسلامی جمہوریہ ہے، اس کے آئین میں اسلام کو ریاستی مذہب قرار دیا گیا ہے، قراردادِ مقاصد کو آئین کا مؤثر حصہ بنایا گیا ہے اور یہ طے کیا گیا ہے کہ قرآن و سنت کے منافی کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔ اس پس منظر میں اسلامی قوانین کے نفاذ کی بحث پاکستانی تاریخ کی مستقل بحث ہے، جس میں آئین سازوں، علماء، قانون دانوں اور عوام سب نے حصہ لیا ہے۔ اس بحث کو جذبات سے ہٹ کر دیکھنے کی ضرورت ہے: کتنا نفاذ ہو چکا ہے، کہاں رکا ہوا ہے، اور رکاوٹیں قانونی ہیں، ادارہ جاتی ہیں، علمی ہیں یا سماجی؟ اسلامی قوانین سے یہاں مراد صرف فوجداری حدود نہیں بلکہ آئینی، خاندانی، مالی، فوجداری اور سماجی انصاف سے متعلق پورا دائرہ ہے، کیونکہ اسلام کا قانونی تصور عبادات و اخلاق سے لے کر معیشت و ریاست تک پھیلا ہوا ہے۔ اس جواب میں پہلے موجودہ صورتِ حال کا جائزہ آئینی و قانونی اداروں کی روشنی میں لیا جائے گا، پھر بڑے چیلنجز کی نشاندہی کی جائے گی، پھر یہ بتایا جائے گا کہ یہ چیلنجز کس طرح ایک دوسرے سے جڑے ہیں، اور آخر میں متوازن نتیجہ پیش کیا جائے گا۔ کوشش یہ ہو گی کہ نہ مبالغہ آمیز دعوے کیے جائیں اور نہ کامیابیوں کو نظر انداز کیا جائے۔

موجودہ صورتِ حال: آئینی و قانونی فریم ورک

آئینی سطح پر پاکستان میں اسلامی نفاذ کا باقاعدہ ڈھانچا موجود ہے۔ آئین کی دفعات میں یہ ضمانت دی گئی ہے کہ مسلمانوں کو قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کے قابل بنایا جائے گا، موجودہ قوانین کو اسلامی احکام سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل سفارشات دیتی ہے، اور وفاقی شرعی عدالت کسی بھی قانون کو قرآن و سنت کی روشنی میں پرکھ سکتی ہے، جبکہ سپریم کورٹ کا شریعت اپیلیٹ بینچ ان کے فیصلوں کی آخری عدالت ہے۔ قانونی سطح پر مسلم خاندانی قوانین، زکاۃ و عشر کا نظام، حدود سے متعلق قوانین، قصاص و دیت کی ترامیم، سود کے خلاف عدالتی فیصلے اور اسلامی بینکاری کے بڑھتے ہوئے شعبے کو نفاذ کی مثالوں کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ تعلیمی و سماجی سطح پر دینی مدارس و جامعات، اسلامیات کی لازمی تعلیم اور میڈیا و عدالتوں میں اسلامی حوالوں کا استعمال بھی اسی عمل کا حصہ ہے۔ تاہم ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ ملک کا بڑا قانونی ڈھانچا، یعنی تعزیرات، ضابطہ فوجداری، تجارتی و کمپنی قوانین اور انتظامی ڈھانچے، اپنی ساخت میں نوآبادیاتی دور کی میراث لیے ہوئے ہے، ترامیم جزوی طور پر ہوئی ہیں اور بہت سے شعبوں میں اسلامی اصولوں کی مکمل عکاسی ابھی ایک جاری عمل ہے۔ اس لیے موجودہ صورتِ حال کو نہ مکمل نفاذ کہا جا سکتا ہے اور نہ مکمل عدم نفاذ، درست تعبیر یہ ہے کہ فریم ورک موجود ہے، پیش رفت ناہموار ہے۔

بڑے چیلنجز

پہلا چیلنج تشریح و اختلاف کا ہے: فقہی مکاتب، مسالک اور جدید و قدیم اہلِ علم کے درمیان بہت سے مسائل میں اختلاف موجود ہے، اور جب تک قانون سازی کے لیے مستند و جامع علمی اتفاق پیدا نہ ہو، مقننہ کے لیے فیصلہ کرنا مشکل رہتا ہے؛ اس کا حل محاذ آرائی نہیں بلکہ تحقیق، مکالمہ اور ادارہ جاتی اجتہاد ہے۔ دوسرا چیلنج قانون سازی و عمل درآمد کے درمیان خلا ہے: بہت سے اچھے قوانین کاغذ پر موجود ہیں مگر پولیس، تفتیش، پراسیکیوشن اور عدالتوں کی استعداد، سست روی اور کرپشن کی وجہ سے عام آدمی کو انصاف نہیں ملا، تو الزام قانون پر آتا ہے، حالانکہ مسئلہ نظامِ عمل کا ہے۔ تیسرا چیلنج معاشی نظام کا ہے: سود، ذخیرہ اندوزی، استحصال اور عدم مساوات جیسے مسائل میں اسلامی معاشی اصولوں کا نفاذ بین الاقوامی مالی نظام سے جڑا ہوا معقد مسئلہ ہے، جس میں اسلامی بینکاری نے کچھ پیش رفت کی ہے مگر مکمل متبادل ابھی زیرِ تعمیر ہے۔ چوتھا چیلنج تعلیم و تربیت کا ہے: ججوں،

وکلاء، پولیس اور عوام کی بڑی تعداد اسلامی قانون کی اصولی تعلیم سے ناواقف ہے، اس لیے قانون کتاب میں کچھ اور عمل میں کچھ نظر آتا ہے۔ پانچواں چیلنج سماجی رویے ہیں: رشوت، سفارش، جھوٹی گواہی اور قانون سے بچ نکلنے کی ثقافت کسی بھی قانون کو ناکام کر سکتی ہے، خواہ اس کا نام کچھ بھی ہو۔ چھٹا چیلنج بین الاقوامی دباؤ و انسانی حقوق کی بحث ہے، جس میں پاکستان کو اپنے آئینی و دینی اصولوں اور بین الاقوامی وعدوں کے درمیان توازن قائم کرنا ہوتا ہے۔

جدول: نفاذ کے چیلنجز اور ان کے ممکنہ ازالے

چیلنج	اصل نوعیت	ممکنہ ازالہ
فقہی اختلاف و تشریح	علمی	تحقیقی ادارے، مکالمہ، ادارہ جاتی اجتہاد
عمل درآمد کی کمزوری	ادارہ جاتی	پولیس و عدلیہ کی اصلاح، تربیت، احتساب
معاشی ڈھانچا و سود	معاشی و عالمی	اسلامی مالیات کی تدریجی توسیع، ماہرین کی قانون سازی
قانونی تعلیم کی کمی	تعلیمی	ججوں و وکلاء کی شرعی و قانونی تربیت
سماجی رویے و کرپشن	سماجی و اخلاقی	اخلاقی تربیت، شفافیت، یکساں احتساب

چیلنجز کا باہمی تعلق اور اصلاح کی سمت

یہ چیلنجز الگ الگ خانے نہیں بلکہ ایک زنجیر ہیں: علمی اختلاف قانون سازی کو سست کرتا ہے، قانون سازی کی سستی عمل درآمد کو کمزور رکھتی ہے، کمزور انصاف عوام کا اعتماد ختم کرتا ہے، اور بے اعتماد عوام قانون کی پاسداری چھوڑ دیتے ہیں۔ اس زنجیر کو توڑنے کے لیے کسی ایک نعروں والی تبدیلی کے بجائے مرحلہ وار و متوازن اصلاح درکار ہے۔ پہلی سمت تحقیق و قانون سازی کی ہے، جہاں جامعات، اسلامی نظریاتی کونسل، شرعی عدالت اور پارلیمان کے درمیان باقاعدہ اشتراک سے ایسے مسودے تیار ہوں جو فقہی طور پر

مستند بھی ہوں اور جدید قانونی تحریر کے معیار پر بھی پورے اتریں۔ دوسری سمت اداروں کی استعداد ہے: تفتیش میں فرانزک و جدید سائنس، گواہوں کی حفاظت، مقدمات کی بروقت سماعت اور ججوں کی مسلسل تربیت کے بغیر کوئی قانونی نظام، اسلامی ہو یا غیر اسلامی، نتیجہ نہیں دے سکتا۔ تیسری سمت انصاف تک رسائی ہے: مفت قانونی امداد، ستاو تیز مقدمہ اور کمزور فریق کی حفاظت اسلامی عدل کا اصل امتحان ہے۔ چوتھی سمت اخلاقی و تعلیمی تعمیر ہے، کیونکہ قانون کا خوف وقتی ہوتا ہے مگر ضمیر کی بیداری پائیدار سدباب ہے۔ پانچویں سمت یہ ہے کہ اصلاح کو اوپر سے تھوپنے کے بجائے عوامی آگاہی و اتفاق سے آگے بڑھایا جائے، تاکہ قانون معاشرے کا اپنا قانون بنے، باہر سے مسلط شدہ بوجھ نہیں۔ یہی تدریج سنت و حکمت کے مطابق ہے۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا آئینی و ادارہ جاتی فریم ورک موجود ہے اور خاندانی، فوجداری، مالی و عبادتی شعبوں میں قابلِ ذکر پیش رفت بھی ہوئی ہے، مگر مکمل و یکساں نفاذ ابھی ایک جاری سفر ہے جس کی رکاوٹیں علمی اختلاف، عمل درآمد کی کمزوری، معاشی ڈھانچا، تعلیمی کمی اور سماجی رویے ہیں۔ درست رویہ یہ ہے کہ کامیابیوں کو تسلیم کیا جائے، کمزوریوں کی ایمان دارانہ نشاندہی کی جائے اور اصلاح کو تحقیق، ادارہ سازی، انصاف کی فراہمی و اخلاقی تربیت کے ذریعے مرحلہ وار آگے بڑھایا جائے۔ اس متوازن تجزیے سے طالب علم نہ مایوسی کا شکار ہوتا ہے اور نہ غلط دعووں کا، بلکہ ایک ذمہ دار شہری و قانون دان کی طرح سوچنا سیکھتا ہے۔

سوال نمبر 4: اسلامی فوجداری قانون کے اصولوں کو جدید قانونی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے امکانات (20 نمبر)

سوال نمبر 4۔ اسلامی فوجداری قانون کے بنیادی اصولوں کو جدید قانونی تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے امکانات پر تحقیق کریں۔ (20)

تعارف

اکثر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ چودہ سو سال پرانی فقہی روایت اور آج کے دور کے آئین، انسانی حقوق، فرانزک سائنس، سائبر جرائم اور عالمی معاہدوں کے تقاضے ایک دوسرے سے کیسے ہم آہنگ ہو سکتے ہیں؟ بظاہر یہ دو الگ دنیائیں لگتی ہیں، مگر تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ اسلامی قانون کے بنیادی اصول یعنی عدل، قانون کی حکمرانی، بے گناہی کا قیاس، شبے سے فائدہ، متناسب سزا، متاثرہ کی تلافی اور جرم کی روک تھام جیسے قانون کے تسلیم شدہ اصولوں سے حیران کن حد تک ملتے ہیں۔ مسئلہ اصولوں کا کم ہے، اصل کام ان اصولوں کو جدید اداروں، ضابطوں اور سائنسی ذرائع کے ساتھ جوڑنے کا ہے، جو اجتہاد، مقاصدِ شریعت اور تعزیر و سیاست کے ابواب سے ممکن ہے۔ یہ جواب تحقیق کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے: پہلے بنیادی اصولوں کی فہرست، پھر جدید تقاضوں کی نشاندہی، پھر دونوں کے درمیان ہم آہنگی کے عملی امکانات شعبہ وار، پھر حدود و احتیاطیں جہاں مکالمے کی ضرورت باقی ہے، اور آخر میں نتیجہ۔ یہاں ہم آہنگی سے مراد اصولوں کو بدلنا نہیں بلکہ ان کی سب سے بہتر تعبیر تلاش کرنا ہے، کیونکہ نصوص و بنیادیں اپنی جگہ ثابت رہتی ہیں اور اطلاق کی صورتیں زمانے کے ساتھ بدلتی ہیں۔

اسلامی فوجداری قانون کے بنیادی اصول

اسلامی فوجداری قانون کے اصولوں میں پہلا اصول قانونیت ہے، یعنی کوئی عمل اس وقت تک جرم و سزا کا مستحق نہیں جب تک شریعت یا مجاز قانون اسے منع نہ کرے، اور سزا عدالت کے فیصلے کے بغیر نہیں دی جا سکتی۔ دوسرا اصول شخصی ذمہ داری ہے، جس کا قرآنی بیان یہ ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اس لیے باپ کے جرم کی سزا بیٹے کو اور شوہر کے جرم کی سزا بیوی کو نہیں مل سکتی۔ تیسرا اصول براءت کا قیاس ہے، یعنی ہر شخص بے گناہ سمجھا جائے گا جب تک ثبوت سے مجرم ثابت نہ ہو، اور حدود میں شبہ سزا کو ساقط کر دیتا ہے۔ چوتھا اصول تناسب و عدل ہے، سزا جرم سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی اور امیر و غریب قانون کے سامنے برابر ہیں۔ پانچواں اصول متاثرہ کی تلافی و اصلاح ہے، جس کی صورت دیت، معاوضہ، معافی و صلح اور مجرم کی بحالی میں نظر آتی ہے۔ چھٹا اصول روک تھام و سدِ ذرائع ہے، یعنی جرم کے اسباب بند کرنا سزا سے

مقدم ہے۔ ساتواں اصول نیت وارادے کا لحاظ ہے: غلطی، جبر، جنون اور نابالغی ذمہ داری کو کم یا ختم کرتے ہیں۔ یہ اصول کسی ایک دور کے نہیں، یہ ہر انصاف پسند نظام کی روح ہیں، اسی لیے جدید قانون سے ان کا ٹکراؤ لازمی نہیں۔

جدید قانونی تقاضے

جدید قانونی تقاضوں سے مراد وہ معیارات ہیں جن پر آج دنیا کے بیشتر منصفانہ و عدالتی نظام متفق نظر آتے ہیں: آئین کی بالادستی و بنیادی حقوق کا تحفظ، منصفانہ سماعت یعنی فریقین کو سننا، وکیل و اپیل کا حق، ثبوت کے سائنسی و شفاف معیار، جرم و سزا کی قانون میں یکسانی، سماعت، سزا میں تناسب و انسانی وقار کا لحاظ، متاثرین کے حقوق و معاوضہ، بچوں و خواتین و کمزور طبقات کا خصوصی تحفظ، اور نئے جرائم جیسے سائبر کرائم، منی لانڈرنگ، انسانی اسمگلنگ اور ماحولیاتی جرائم کے لیے مؤثر قانون سازی۔ اسی طرح جدید ریاست میں پولیس، پراسیکیوشن، جیل خانہ جات اور پروبیشن جیسے ادارے بھی قانونی نظام کا حصہ ہیں، اور یہ توقع کی جاتی ہے کہ سزا کا نظام جیل کو اصلاح گاہ بنائے، دوبارہ جرم کی شرح کم کرے اور اعداد و شمار کی بنیاد پر پالیسی بنائے۔ ان تقاضوں کو اسلام سے اجنبی سمجھنا درست نہیں، کیونکہ ان میں سے اکثر کا مقصد وہی ہے جو مقاصدِ شریعت کا ہے، فرق صرف زبان، ادارے اور ترتیب کا ہے۔ تحقیق کا اصل کام یہی دکھانا ہے کہ کہاں ترجمہ آسان ہے اور کہاں فقہی مکالمہ درکار ہے۔

ہم آہنگی کے عملی امکانات

شعبہ وار امکانات پر غور کریں تو پہلا شعبہ ضابطہ و طریقہ کار ہے: فرانزک شہادت، ڈی این اے، سی سی ٹی وی اور ڈیجیٹل شواہد کو اسلامی قانون کے شہادت و قرائن کے اصولوں کے تحت بطور قرینہ و امارات قبول کرنے پر اہلِ علم کی بڑی تعداد نے گنجائش دیکھی ہے، خاص طور پر تعزیری جرائم میں جہاں ثبوت کا دائرہ حدود سے وسیع ہے؛ اس سے پرانے مشکل مقدمات میں انصاف آسان ہو سکتا ہے۔ دوسرا شعبہ تعزیر و قانون سازی ہے: چونکہ تعزیری دائرہ مقننہ و قاضی کے لیے کھلا ہے، اس لیے سائبر کرائم، مالی فراڈ، منشیات کی اسمگلنگ اور دہشت گردی کی مالی معاونت جیسے نئے جرائم کے لیے اسلامی اصولوں کے مطابق جدید قوانین بنانا نسبتاً آسان ہے۔ تیسرا شعبہ متاثرہ مرکز انصاف ہے: جدید دنیا کا بحالیِ انصاف کا رجحان، جس میں متاثرہ کی تلافی، معافی و مصالحت اور مجرم کی ذمہ داری کا اعتراف شامل ہے، قصاص و دیت و صلح کے اسلامی تصورات سے

قریب ہے اور پاکستان میں اس کی عملی صورتیں موجود ہیں۔ چوتھا شعبہ جیل و سزا کی اصلاح ہے: پروبیشن، پیرول، سماجی خدمت اور قیدیوں کی تعلیم و ہنر جیسی صورتیں تعزیر کی اصلاحی حکمت سے ہم آہنگ ہیں۔ پانچواں شعبہ بچوں کا انصاف ہے، جہاں نابالغوں کے لیے الگ عدالتیں و اصلاحی ادارے اسلامی اصولِ عدمِ تکلیف و تربیت سے میل کھاتے ہیں۔ چھٹا شعبہ ضمانت و احتساب ہے: ججوں کی آزادی، فیصلوں کی وجوہات، اپیل اور قانون سازی کی شفافیت عدل کے اسلامی مطالبے کی جدید ادارہ جاتی شکل ہے۔

حدود، اختلاف کے مقامات اور مکالمے کی ضرورت

دیانت داری کا تقاضا ہے کہ جہاں ہم آہنگی مشکل ہے وہاں بھی اسے چھپایا نہ جائے۔ بعض مقامات پر فقہی نصوص و مقرر سزاؤں اور جدید بین الاقوامی رجحانات کے درمیان ظاہری فرق موجود ہے، جیسے کچھ بدنی سزاؤں اور سزائے موت کے دائرے کی بحث۔ ان مقامات پر دنیا بھر کے مسلم اہلِ علم کے درمیان خود بھی سنجیدہ مکالمہ جاری ہے، جس میں مقاصدِ شریعت، شرائطِ نفاذ کی سختی، تاریخی سیاق اور ریاست کے آئینی ڈھانچے جیسے عناصر زیرِ بحث آتے ہیں۔ طالب علم کے لیے درست طریقہ یہ ہے کہ اختلاف کو اختلاف کے طور پر سمجھے، کسی فریق کو دین سے خارج کہنے یا قانون کو توڑنے کی ترغیب سے بچے، اور یہ اصول یاد رکھے کہ تطبیق کا اختیار ریاست و عدالت و مستند اداروں کا ہے۔ ہم آہنگی کی کوشش کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہر جدید رجحان کو بلا تحقیق قبول کر لیا جائے؛ بعض رجحانات مثلاً معاشرتی اقدار و خاندانی نظام کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے مختلف بھی ہو سکتے ہیں، وہاں بھی مکالمہ، دلیل اور آئینی راستہ ہی درست ہے۔ اس طرح ہم آہنگی اندھی تقلید کا نام نہیں بلکہ اصولوں کی حفاظت کے ساتھ ذرائع کی تجدید کا نام ہے۔ اسی توازن کو فقہ کی اصطلاح میں ثابت و متغیر کا فرق کہا جاتا ہے: اصول ثابت رہتے ہیں، وسائل و صورتیں بدلتی ہیں۔

نتیجہ و خلاصہ

تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی فوجداری قانون اور جدید قانونی تقاضوں کے درمیان ہم آہنگی کے امکانات وسیع ہیں، کیونکہ عدل، براءت کا قیاس، قانونیت، تناسب، تلافی و اصلاح جیسے اصول دونوں کے مشترک سرمائے ہیں، اور تعزیر، مقاصدِ شریعت و اجتہاد کے ابواب جدید اداروں و سائنسی شہادت و نئے جرائم کی قانون سازی کے لیے راستہ دیتے

ہیں۔ جہاں اختلاف کے مقامات ہیں وہاں علمی مکالمہ، شرائط کی احتیاط اور آئینی طریقہ ہی راہ ہے۔ اس نقطۂ نظر سے اسلامی قانون ماضی کی یادگار نہیں بلکہ ایک زندہ نظام ہے جو اپنے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے ہر دور کے انصاف کے سوالات کا جواب دے سکتا ہے، بشرطیکہ اس کے حاملین علم، ادارہ سازی اور اخلاق میں اسی معیار پر پورے اتریں۔

سوال نمبر 5: موجودہ دور کے جرائم کے تناظر میں اسلامی فوجداری نظام کی افادیت (20 نمبر)

سوال نمبر 5۔ اسلامی فوجداری نظام کی افادیت کو موجودہ دور کے جرائم کے تناظر میں دلائل کے ساتھ ثابت کریں۔ (20)

تعارف

موجودہ دور جرائم کی نئی و پیچیدہ صورتوں کا دور ہے: سائبر کرائم و آن لائن فراڈ، منشیات و انسانی اسمگلنگ، منی لانڈرنگ و کرپشن، دہشت گردی و انتہا پسندی، خواتین و بچوں کے خلاف جرائم اور ماحولیاتی تباہی جیسے مسائل نے ہر ریاست کو پریشان کر رکھا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں بھی جیلیں بھری ہوئی ہیں، ریکارڈ جرم کی شرح بلند ہے اور متاثرین انصاف کے لیے ترستے ہیں، جس سے یہ سوال سنجیدگی سے اٹھتا ہے کہ کیا اسلامی فوجداری نظام اس دور میں بھی کوئی مفید بات رکھتا ہے؟ اس جواب کا دعویٰ یہ ہے کہ اسلامی نظام کی افادیت اس کے چند نمایاں اصولوں میں ہے: جرم کی روک تھام کو سزا پر مقدم رکھنا، سزا میں یقین و تیزی کو شدت کے ساتھ جوڑنا، متاثرہ کو نظام کے مرکز میں لانا، مجرم کی اصلاح و واپسی کا دروازہ کھلا رکھنا، اور اخلاقی و سماجی تربیت سے جرم کی جڑ کاٹنا۔ البتہ یہ افادیت خود بخود حاصل نہیں ہوتی؛ اس کے لیے ایمان دارانہ نفاذ، قابل ادارے اور عدل کی یکسانیت شرط ہے، ورنہ اچھے سے اچھا قانون بھی کاغذ پر رہ جاتا ہے۔ اس جواب میں پہلے عصرِ حاضر کے جرائم کی تصویر، پھر دلائل کی صورت میں اسلامی نظام کی افادیت، پھر اس کی حدود و شرائط اور آخر میں نتیجہ پیش کیا جائے گا۔

عصرِ حاضر کے جرائم کی تصویر

آج کے جرائم کی پہلی خصوصیت ان کا منظم و عالمی ہونا ہے: ایک ملک میں بیٹھا مجرم دوسرے ملک کے شہری کا بینک اکاؤنٹ خالی کر سکتا ہے، منشیات و اسلحے کے نیٹ ورک کئی ممالک میں پھیلے ہوتے ہیں اور سوشل میڈیا پر پروپیگنڈا نوجوانوں کو انتہا پسندی کی طرف دھکیلتا ہے۔ دوسری خصوصیت ٹیکنالوجی کا استعمال ہے، جس سے جرم تیز، چھپا ہوا اور بڑے پیمانے پر ہو گیا ہے، جبکہ روایتی تفتیش اس کے مقابلے میں سست پڑ جاتی ہے۔ تیسری خصوصیت معاشی جرائم کا پھیلاؤ ہے: کرپشن، ٹیکس چوری، اندرونی معلومات سے ناجائز فائدہ اور جعلی کمپنیوں کے فراڈ سے قومی دولت لوٹی جاتی ہے، اور اس کا بوجھ آخرکار غریب شہری اٹھاتا ہے۔ چوتھی خصوصیت سماجی بگاڑ سے جڑے جرائم ہیں، جیسے گھریلو تشدد، بچوں سے زیادتی، منشیات کی لت اور آن لائن ہراسانی، جن میں صرف سزا کافی نہیں ہوتی بلکہ خاندان و معاشرے کی اصلاح بھی درکار ہوتی ہے۔ پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ عوام کا نظامِ انصاف پر اعتماد کم ہو رہا ہے، کیونکہ مقدمات سالوں چلتے ہیں، بااثر مجرم بچ نکلتے ہیں اور کمزور متاثرہ ہک ہا کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس تصویر کے سامنے کسی بھی نظام کو اپنی افادیت اپنی روک تھام، انصاف کی رفتار و یقینیت، متاثرہ کی تلافی اور اعتماد کی بحالی سے ثابت کرنی ہو گی، اور یہی وہ پیمانے ہیں جن پر آگے اسلامی نظام کو پرکھا جائے گا۔

دلیل اول تا سوم: روک تھام، یقینی سزا اور متاثرہ کا تحفظ

پہلی دلیل روک تھام کی جامعیت ہے۔ جرم شناسی کی جدید تحقیق بھی یہی کہتی ہے کہ جرم صرف سزا کے خوف سے نہیں رکتا، بلکہ مواقع بند کرنے، نگرانی، تربیت اور سماجی اقدار سے رکتا ہے، اور اسلامی نظام صدیوں سے یہی جامع ماڈل دیتا ہے: عبادت و تقویٰ سے ضمیر کی تربیت، خاندان و تعلیم سے کردار سازی، زکاۃ و کفالت سے غربت و محرومی میں کمی، امر بالمعروف سے سماجی نگرانی اور پھر آخری درجے میں قانونی سزا۔ دوسری دلیل سزا کا یقین و تناسب ہے: تحقیق بتاتی ہے کہ سزا کی لمبائی سے زیادہ اس کا یقینی و بروقت ہونا جرم روکتا ہے، اور اسلامی اصول یعنی شبے میں نرمی مگر ثابت شدہ جرم میں واضح و متناسب سزا اور متاثرہ کی موجودگی میں فیصلے کی شفافیت اسی یقین کو قائم کرنے کی کوشش ہے، بشرطیکہ عدالتیں تیز و صاف ہوں۔ تیسری دلیل متاثرہ کا تحفظ ہے، جو جدید نظاموں کی بڑی کمزوری ہے: اسلامی قانون متاثرہ و اس کے ورثاء کو قصاص، معافی و دیت و صلح کے ذریعے فیصلے کا حصہ بناتا ہے، اسے معاوضہ دلواتا ہے اور اس کی عزت و تلافی کو ریاست کی ذمہ داری بناتا ہے۔ جس نظام میں متاثرہ مطمئن ہو وہاں بدلہ و انتقام کے

نجی سلسلے رک جاتے ہیں اور قانون پر اعتماد بڑھتا ہے۔ یہ تین دلائل بتاتے ہیں کہ اسلامی نظام صرف مجرم پر نظر نہیں رکھتا بلکہ پورے واقعے یعنی مجرم، متاثرہ اور معاشرے تینوں کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔

دلیل چہارم تا ششم: اصلاح، نئے جرائم کا علاج اور اخلاقی بنیاد

چوتھی دلیل مجرم کی اصلاح و بحالی ہے۔ اسلامی نظام سزا کو آخری درجہ رکھ کر توبہ، معافی، کفارے، تلافی اور سماج میں واپسی کے دروازے کھلے رکھتا ہے، اور تعزیری دائرے میں قاضی کو مجرم کے حالات کے مطابق ایسی سزا چننے کی اجازت دیتا ہے جو اسے سدھارے، جیسے تنبیہ، جرمانہ، سماجی خدمت یا اصلاحی قید۔ جدید دنیا آج اسی کو بحالی انصاف کے نام سے اپنا رہی ہے، جس سے اسلامی فکر کی پیش قدمی ظاہر ہوتی ہے۔ پانچویں دلیل نئے جرائم کے علاج کی گنجائش ہے: سائبر کرائم، کرپشن، منی لانڈرنگ اور ماحولیاتی جرائم کلاسیکی کتابوں میں نام کے ساتھ موجود نہیں، مگر تعزیر، سیاستِ شرعیہ اور مقاصدِ شریعت کے اصول مقننہ کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ مال، جان، عقل و معاشرے کی حفاظت کے لیے ان جرائم کی تعریف و سزا قانون میں مقرر کرے، اور شہادت کے باب میں قرائن و سائنسی شواہد کی گنجائش اس نظام کو جدید تفتیش سے جوڑتی ہے۔ چھٹی دلیل اخلاقی و روحانی بنیاد ہے: جو قانون صرف پولیس کے ڈر سے مانا جائے وہ پولیس کی غیر موجودگی میں ٹوٹ جاتا ہے، مگر جس قانون کے پیچھے ایمان، ضمیر اور آخرت کی جواب دہی ہو وہ تنہائی میں بھی کام کرتا ہے۔ منشیات، رشوت اور آن لائن فراڈ جیسے چھپے جرائم کے مقابلے میں یہ اندرونی روک کسی بیرونی کیمرے سے زیادہ مضبوط ہے، بشرطیکہ دینی تربیت واقعی دلوں تک پہنچے۔ یہ دلائل دعوے نہیں بلکہ ان اصولوں کی نشاندہی ہیں جن کی عملی مثالیں تاریخ و عصر دونوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

جدول: عصر حاضر کے جرائم اور اسلامی نظام کا ممکنہ جواب

جدید جرم / مسئلہ	اسلامی اصول	عملی صورت
سائبر فراڈ و ڈیٹا چوری	حفاظتِ مال، تعزیر و قانون سازی	جدید سائبر قانون، قرائن و ڈیجیٹل شہادت، جرمانہ و قید بطور تعزیر

شفاف احتساب، اثاثوں کی جانچ، پیشہ ورانہ تعزیری سزائیں	امانت، عدل، حسبہ واحتساب	کرپشن ورشوت
روک تھام وعلاج، اسمگلروں پر سخت تعزیر، متاثرین کی بحالی	حفاظتِ عقل، سدِ ذرائع	منشیات
معاوضہ فنڈ، مصالحت، متاثرہ کو فیصلے میں شراکت	قصاص، دیت، صلح وتلافی	متاثرہ کی بے بسی
پروبیشن، ہنر وتعلیم، سماجی خدمت	توبہ واصلاح، تعزیر کی لچک	دوبارہ جرم

افادیت کی شرائط وحدود

دیانت داری سے یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ اسلامی نظام کی افادیت خود کار نہیں؛ اس کی شرائط پوری نہ ہوں تو نتائج نہیں آتے۔ پہلی شرط عدل کی یکسانیت ہے: اگر قانون امیر وبااثر کے لیے نرم اور غریب کے لیے سخت ہو تو نظام اپنی ساکھ کھو دیتا ہے، اور اسلام نے اسی دوغلے پن کو سب سے زیادہ ناپسند کیا ہے۔ دوسری شرط اداروں کی اہلیت ہے: جدید جرائم کا مقابلہ غیر تربیت یافتہ تفتیش و سست عدالت سے نہیں ہو سکتا، اس لیے فرانزک، ٹیکنالوجی اور عدالتی اصلاح اسلامی نفاذ کا لازمی حصہ ہے۔ تیسری شرط سماجی انصاف ہے: بے روزگاری، جہالت اور محرومی جرم کی زمین ہموار کرتے ہیں، اس لیے زکاۃ، تعلیم وروزگار کی پالیسیاں بھی فوجداری اصلاح کا حصہ ہیں۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ نفاذ آئین و قانون کے دائرے میں اور مجاز اداروں کے ہاتھ سے ہو، خود ساختہ گروہوں کی نام نہاد عملداری خود فساد ہے جسے اسلامی قانون تسلیم نہیں کرتا۔ پانچی شرط علمی دیانت ہے: ہر مسئلے میں مستند علماء وماہرینِ قانون کی تحقیق کو سامنے رکھا جائے اور اختلافی باتوں کو فتنے کے بجائے مکالمے سے حل کیا جائے۔ ان شرائط کے ساتھ اسلامی نظام کی افادیت ایک عملی پروگرام بنتی ہے، ان کے بغیر وہ محض نعرہ رہ جاتی ہے۔ یہ تنقیدی وضاحت جواب کو کمزور نہیں بلکہ قابلِ اعتماد بناتی ہے۔

نتیجہ وخلاصہ

مجموعی نتیجہ یہ ہے کہ موجودہ دور کے جرائم کے تناظر میں اسلامی فوجداری نظام کی افادیت اس کے جامع اصولوں سے ثابت ہوتی ہے: یہ سزا سے پہلے تربیت وروک تھام دیتا ہے، ثابت شدہ جرم پر متناسب و یقینی قانونی کارروائی رکھتا ہے، متاثرہ کو تلافی و شراکت دیتا ہے، مجرم کو اصلاح وواپسی کا موقع دیتا ہے، اور تعزیر و مقاصد کے ذریعے نئے جرائم کا علاج بھی کر سکتا ہے۔ اس افادیت کی شرط عدل کی یکسانیت، اہل دار ے۔ جی انصاف اور آئینی و قانونی طریقہ کار ہے۔ طالب علم کے لیے سبق یہ ہے کہ وہ اسلامی نظام کا دفاع جذبات کے بجائے دلیل، اصول اور عملی شرائط کے ساتھ کرے، کیونکہ دلیل سے کی گئی بات ہی آج کے تعلیم یافتہ ذہن کو مطمئن کرتی ہے اور یہی اس کورس کا اصل مقصد ہے۔